AL-JAMEI
RESEARCH JOURNAL
AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

کتاب (الحجۃ علی اھل المدینۃ) از امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف، فقہی منہج واسلوب

Introduction, jurisprudential methodology and style to the book (Al-Hujjah Ali Ahl Al-Madinah) by Imam Muhammad bin Hassan Al-Shaybani (may Allah have mercy on him)

Yasir Abbas

Ph.D Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

Dr. Muhammad Asif Malik

Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, Rahimyar Campus

Abstract

This study explores the introduction, jurisprudential methodology, and scholarly style of the seminal work Al-Ḥujjah ʿAlā Ahl al-Madīnah authored by the distinguished 2nd-century Hanafi jurist, Imām Muḥammad ibn al-Ḥasan al-Shaybānī (رحمہ اللہ). The book represents a critical intellectual engagement with the legal positions of the scholars of Madinah, particularly those associated with the school of Imām Mālik. Through a systematic and analytical approach, Imām al-Shaybānī defends the Kufan school—especially the positions of his teacher Imām Abū Ḥanīfah—by presenting counter-arguments rooted in Qur'ān, Sunnah, consensus (ijmāʿ), and rational analogy (qiyās). This paper examines the methodological rigor, argumentative coherence, and stylistic features of the work, highlighting how Imām al-Shaybānī combines traditional evidence with legal reasoning to construct a comprehensive jurisprudential response. The study also sheds light on the broader context of early Islamic legal debates and the role of this work in shaping the identity and defense of the Ḥanafī school within the formative period of Islamic jurisprudence.

Key Words: God, Islamic jurisprudence, Imam Muhammad,Eloquent, Ocean of knowledge, Fiqh Hanfi, Islamic Fiqh

تمہید

کتاب الحجۃ کا شمار امام محمد کی نوادر الروایہ کتب میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کا پس منظر یہ ہے کہ امام محمد نے حصول علم کی غرض سے مدینہ منورہ کا سفر کیا، اور امام دار الہجرۃ امام مالک رحمہ اللہ سے تقریباً تین سال تک حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں امام مالک سے حاصل کردہ روایات کو موطا امام محمد میں جمع کیا اور دوران تعلیم فقہی مناقشوں کو کتاب الحجۃ میں جمع کیا۔ اس کتاب میں مصنف کا طرز یہ ہے کہ عنوان باندھنے کے بعد پہلے امام ابو حنیفہ کا مسلک ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد وقال اھل المدینۃ کہہ کر امام مالک اور مدینہ کے دیگر فقہاء کی رائے سامنے لاتے ہیں اور اس کے بعد وقال محمد سے اہل مدینہ کے مسلک پر مناقشہ ذکر کر کے امام ابو حنیفہ کے قول کو احادیث و آثار سے مبرہن کرتے ہیں۔

فقہائے اسلام میں امام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کا مقام و مرتبہ نہایت بلند اور ارفع ہے۔ فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور فقہی دبستانوں میں وہ سب سے بڑی فقہ کے ممتاز نمائندہ ہیں۔ ان کی تصانیف فقہی تحقیقات کا بہترین ماخذ ہیں اور خود ان کی علمی شخصیت اتنی بلند مرتبے کی حامل ہے کہ دیگر مسالک کے فقہاء بھی ان سے متاثر اور ان کے احسان مند نظر آتے ہیں۔

امام محمد کا تعارف

عام طور پر محققین نے امام محمد کی جو تاریخ پیدائش بیان کی ہے وہ محض تخمینی اور ظنی ہے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں جو تاریخ پیدائش تحریر کی ہے وہ 135 ھ ہے۔(1) لیکن یہ متعدد وجوہ سے درست نہیں جس پر علامہ کوثری نے روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ علامہ کوثری کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۳۲ ھ مطابق 7۴8ء میں ہوئی اور یہی صحیح میلادی تاریخ ہے۔(2) جائے پیدائش کی تعین میں بھی وقائع نگاروں نے اختلاف کیا ہے۔ تاریخ بغداد جو تاریخی حوالوں کا سب سے بڑا ماخذ اور موسوعہ سمجھی جاتی ہے، اس کی تصریح کے مطابق امام محمد کا آبائی وطن "حرستا" ہے جو دمشق کے مضافات میں واقع ہے۔ تاہم امام محمد کی پیدائش "عراق" میں ہوئی۔ ہوا یہ کہ بعض سیاسی وجوہ سے آپ کے والد عراق تشریف لائے تھے، وہیں امام محمد کی ولادت ہوئی۔(3) علامہ کوثری نے جائے پیدائش کے حوالے سے خطیب بغدادی کی تحقیق کی تائید کی ہے۔ البتہ آبائی وطن کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کا اصل مسکن " جزیرہ " تھا۔ جب آپ کے والد "شام" میں فوجی ڈیوٹی پر مامور ہوئے تو شام کے گاؤں "حرستا" میں قیام پذیر ہوئے۔ اسی گاؤں میں امام محمد کی ولادت ہوئی۔ بعد ازاں عراق کی طرف آپ کا پورا خاندان کوچ کر گیا۔(4) ایک دوسری تحقیق کے مطابق آپ کی پیدائش عراق کے مشہور شہر "واسط" میں ہوئی۔(5) لیکن یہ بھی درست نہیں۔ صمیری کی تحقیق یہ بتلاتی ہے کہ آپ کا خاندان دراصل "رملہ" جو فلسطین کا ایک شہر ہے، اس کے قریب کی ایک بستی میں آباد تھا۔(6) تاہم یہ درست نہیں۔ ان سب میں خطیب بغدادی کی رائے سب سے درست معلوم ہوتی ہے۔ علامہ کوثری کی تحقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ امام محمد نسباً شیبانی نہیں تھے بلکہ ولاء شیبان کی طرف منسوب تھے۔ یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ جن لوگوں نے امام کے دادا کا نام "واقد" بتلایا ہے ان سے سہو ہوا ہے کیونکہ تاریخی حقائق اور علمائے تراجم کی اکثریت کی تحقیق اس کے معارض ہیں۔[7]

امام محمد نے طفولیت کا بیشتر حصہ مقامی مکتب میں حصول علم میں گزارا اور جب ذہنی بلوغ کا زمانہ آیا تو دنیا کے سب سے بڑے مسلمہ فقہ حنفی کے مرجع اور عظیم اسلامی اسکالر امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس کا قصد کیا اور ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ آپ امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں غالباً با قاعدہ طور پر عمر بلوغ کو پہنچنے کے بعد ہی داخل ہوئے کیونکہ امام محمد نے اپنے عظیم استاد سے جس مسئلے کے بارے سب سے پہلے استفسار کیا تھا وہ اپنی بلوغت پر مندرج ہونے والے بنیادی مسئلہ کے بارے میں ہی تھا۔(8) امام ابو حنیفہ کی شاگردی میں امام محمد کی پوشیدہ صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں اور انہوں نے کامل یکسوئی سے امام ابو حنیفہ سے فقہ حنفی کو اخذ کیا۔ ان کے اعزاز کو یہی بات بہت ہے کہ قدرت نے ان سے فقہ حنفی کی تدوین کا کام لیا۔ امام محمد کی تصنیفات اپنی معنویت، ترتیب، گہرائی اور زبان و اسلوب کے اعتبار سے نادر المثال ثابت ہوئیں اور ان کتب نے بعد کے فقہی لٹریچر پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ چنانچہ آج تک کی وہ تمام فقہی کتب (خواہ ان کا تعلق کسی مسلک سے ہو) جو موقع بہ موقع معرض تحریر میں آتی رہتی ہیں، وہ امام محمد کی کتابی ترتیب، مواد، مضامین، اصول، تفریحات کی تشکیل اور اس کی جملہ خصوصیات سے مستفاد اور ماخوذ ہوتی ہیں۔

امام محمد ایک کثیر التصانیف شخص تھے۔(9) ان کی علمی جلالت کا اندازہ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ " بلوغ الامانی "میں تفصیلاً ان کی کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔(10) حاکم شہید نے تمام کتب کی جمع و ترتیب اور مکررات کے حذف کے ساتھ ایک کتاب " الکافی فی فروع الحنفیہ " ترتیب دی تھی جس کی شرح علامہ سرخسی" نے "المبسوط" کے نام سے لکھی تھی جو شائع ہو چکی ہے لیکن اصل اب بھی تشنہ طبع ہے۔(11) حاکم شہید سے اس کارنامہ ترتیب کے تعلق سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حاکم کو خواب میں امام محمد نے فرمایا " تم نے میری کتابوں میں قطع و برید کیوں کی؟ انہوں نے کہا" میں نے طالبین فقہ کو کسل مند اور تساہل پسند پایا اور تسلسل کتب بینی سے ان کی گریز پائی محسوس کی۔ اس لئے مطول اور مکرر امور کو حذف کر دیا۔ امام محمد کے دل پر ان کا یہ عمل گراں گذرا۔ تا آنکہ انہوں نے غصہ میں آکر یہ پیشین گوئی کی کہ جس طرح تم نے میری کتابوں میں قطع و برید کی ہے من و عن تمہاری حالت بھی وہی ہو گی۔ واقعہ یہ بتلاتا ہے کہ "مرو" کے گورنر لشکر نے آپ کو قتل کر دیا اور ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، واقعہ درست ہے یا نہیں البتہ معتبر کتابوں میں اسے جگہ ملی ہے۔[12]

امام محمد تحصیل علم کے شائق اور دل دادہ تھے۔ اس حوالے سے ان کا شوق جنون کی حد پار کر گیا تھا۔ جہاں بھی علم کی بو پاتے وہاں جانے کے لئے بے چین ہو جاتے۔ اس وقت چونکہ کوفہ علم و تحقیق کا مرکز تھا اور ہر طرح کی تشنگی دور کرنے کے لئے کافی تھا۔ اگرچہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح کثیر السفر مشہور نہیں ہوئے تاہم انہوں نے تحصیل علم اور سماع حدیث کی غرض سے بصرہ، مکہ اور مدینہ کا سفر کیا اور اس سفر میں انہوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ بعض قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حجاز کا سفر دو مرتبہ کیا۔ ایک بار تو فقط عمومی مقصد سے جس میں ائمہ اور حجازی محدثین سے سماع حدیث اور روایات اخذ کیں اور دوسرا سفر خصوصی طور پر امام مالک کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کے لئے کیا۔[13]

امام محمد نے اللہ کے فضل و عنایت سے شہرت کی وہ بلندی پائی جو بہت کم علماء کو ملتی ہے۔ مخالفین اور موافقین سب آپ کے دل دادہ اور قدر شناس تھے۔ ابن خلکان نے " تاریخ ابن خلکان، یافعی نے " قرآۃ الجنان "، سمعانی نے "انساب "اور ذہبی نے " العبر " میں امام محمد کی شخصیت اور فکر پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان سب کا خلاصہ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے "الفوائد البہیۃ" میں بیان کیا ہے۔(14) ابن ابی العوام کہتے ہیں کہ:

> ایک دن امام مالک نے اصحاب حدیث کی موجودگی میں ارشاد فرمایا "مشرق سے ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں آتا جو صاحب فکر و نظر ہو" حاضرین میں امام محمد بھی تھے، امام مالک نے امام محمد پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا۔ سوائے اس نوجوان کے "۔[15]

معلی بن منصور کہتے ہیں:

> ایک مرتبہ امام ابو یوسف سے جب کہ وہ منصب قضاء پر فائز ہو چکے تھے، میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا: معلی آج کل کس کے دامن علم سے وابستہ ہو؟ میں نے جواب دیا: "امام محمد کے دامن سے وابستہ ہوں"۔ یہ سن کر فرمایا: ان کا دامن نہ چھوڑنا اس وقت سب سے بڑے عالم وہی ہیں۔ "[16]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ:

> " امام محمد جب معارف قرآنی پر تکلم فرماتے ہیں تو مجھے یہ کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ قرآن امام محمد بن الحسن کے علاوہ کسی اور کی لغت پر نازل نہیں ہوا ہے "۔[17]

امام محمد کی وفات 189ھ میں ہوئی۔ سعد، خطیب اور ابن الخیاط وغیرہ سب اس پر متفق ہیں۔ ابن ابی العوام کی ایک روایت میں سال وفات 188ھ بتایا گیا ہے جو غلط ہے۔ (18) امام محمد کی زندگی، علم کی زندگی تھی۔ ان کی موت بالیقین علم کی موت تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے ان کی وفات کے بعد باچشم تر ہو کر کہا تھا:

> " آج ہم نے رے میں فقہ کو دفن کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ امام محمد کی وفات کے ساتھ فن فقہ موت کی نیند سو گیا۔[19]

کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ کا منہج

جہاں تک امام محمد کی کتاب الحجۃ یا الحجج کا تعلق ہے، تو اس میں امام محمد نے بڑے بڑے فقہی مسائل میں اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے درمیان اختلاف بیان کیا ہے۔ کتاب الصلوۃ والمواقیت سے آغاز کیا ہے اور کتاب الفرائض پر اختتام۔

اس کتاب کا منہج واسلوب تحریر یہ ہے کہ ہر باب کے آغاز میں امام ابو حنیفہ کی رائے بیان کی جاتی ہے، اس کے بعد اہل مدینہ کی رائے اور ان کے دلائل کا بیان ہوتا ہے، پھر امام محمد ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اگر آپ کی رائے مناقشہ و مکالمہ کی متقاضی ہو اور اپنے علمی مکالمے میں عقل و نقل پر مبنی ہو تو آپ منطقی دلیل لاتے ہیں اور اس کے ثبوت میں آثار و اخبار پیش کرتے ہیں۔

اس علمی مکالمے کے عقل و نقل پر مبنی ہونے کے باوجود کبھی کبھی اس سے حدت اور سختی کا احساس ہوتا ہے، جس سے بظاہر محسوس ہوتا کہ اہل مدینہ کو بے بصیرتی کا الزام دیا جا رہا ہے، مثلاً اہل مدینہ کے اس مسلک کا رد کرتے ہوئے کہ موزوں پر ان کے اوپر اور نیچے مسح کرنا واجب ہے، فرماتے ہیں کہ :

> فَمَا نعلم احدا يبصر شَيْئا يتَكَلَّم بِمثل هَذَا۔[20]

ہمیں نہیں معلوم کہ کوئی شخص جو ذراسی بصیرت رکھتا ہو، وہ ایسی بات کر سکتا ہے۔

بلا شبہ یہ آخری عبارت مناقشہ و مکالمہ میں سختی اور شدت کا تاثر لیے ہوئے ہے۔

اسی طرح اہلِ مدینہ کو ان کی آراء میں تناقض کی وجہ سے متہم کرنے میں بھی یہ تختی نظر آتی ہے، کیونکہ وہ آثار سے ناواقف ہوتے ہیں، یا آثار کو جانتے تو ہیں، مگر ان پر عمل نہیں کرتے ، نیزوہ اپنے فقہاء کی ان آراء سے بے خبر ہوتے ہیں جن سے امام محمد بعض اوقات استدلال کرتے ہیں۔

لیکن یہ شدت کبھی امام محمد اور انصاف کے درمیان حائل نہیں ہوتی، کیونکہ آپ زیادتی اور تعصب سے واقف ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اہل مدینہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، ان کی رائے پر عامل ہیں۔ جب آپ کی نگاہ میں ان کی رائے آپ کے شیخ کی رائے کے مقابلے میں حق وصواب کے زیادہ قریب ہو، تو ان کی رائے کو اپنے استاذ امام ابو حنیفہ کی رائے پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں، مثلاً امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جمعہ کا دن یوم عرفہ یا یوم النحر ، یا ایام تشریق میں آتا ہو، تو ان دنوں میں منیٰ کے سوا کہیں جمعہ ادا نہ کیا جائے گا، بشرطیکہ زمانہ حج کا ذمہ دار خلیفہ ہو، یا حجاز کا امیر ہو یا مکے کا امیر ہو۔

اہل مدینہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جمعہ کا دن یوم عرفہ یا یوم النحر ، یا ایام تشریق میں بنتا ہو تو منیٰ میں بھی ان ایام میں جمعہ ادا نہ کیا جائے گا۔ امام محمد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

قَول اهل الْمَدِينَة فِي هَذَا احب الي من قَول ابي حنيفَة۔[21]

اہل مدینہ کا یہ قول امام ابو حنیفہ کے مقابلے میں مجھے زیادہ پسند ہے۔

کتاب الحجۃ میں یہ چیز بالکل واضح ہے کہ اس میں عراقی فقہ کا دفاع کیا گیا ہے ، مگر یہ دفاع ہمیشہ دلیل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب عراقی اور حجازی فقہ کا ایک منفرد تقابلی مطالعہ بھی ہے، جسے بلا اختلاف ایک رہنما کی حیثیت حاصل ہے۔

واضح رہے کہ امام محمد نے بہت کم مسائل میں امام مالک کی آراء کا مناقشہ کرنے سے تعرض کیا ہے۔ عموماً آپ ان کی آراء بطور استدلال پیش کرتے ہیں اور ان کی مرویات سے فقہائے مدینہ کا رد کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام محمد ان فقہائے مدینہ کے نام لے کر وضاحت نہیں کرتے ، بلکہ اتنا کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ :

واهل الْمَدِينَة يَقُولُونَ۔[22]

اور اہل مدینہ یوں کہتے ہیں ۔

بیان کیا جاتا ہے :

كتاب: الحج لمحمد بن الحسن.أملاه على: أهل المدينة۔[23]

کہ امام محمد نے اپنی کتاب الحجۃ اہل مدینہ کو املا کرائی تھی۔

اسی طرح یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب امام محمد کے شاگرد اور پیرو عیسی بن ابان کی تالیف ہے۔ ہو سکتا ہے امام محمد نے اسے املا کرایا ہو اور عیسی بن ابان نے اسے یکجا تحریر کر دیا ہو۔ الحجۃ کا جو نسخہ ہم تک پہنچا ہے، اس میں کچھ ابواب ایسے ہیں جن کا آغاز اس فقرے سے ہوتا ہے: أخبرنا محمد بن الحسن ، یعنی ہمیں محمد بن حسن نے خبر دی، جب کہ کچھ دوسرے ابواب اس فقرے سے شروع نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب جس صورت میں ہم تک پہنچی ہے ، اس کا کچھ حصہ اس نسخے سے نقل شدہ ہے، جسے امام محمد نے بذات خود لکھا ہے ، اور کچھ حصہ آپ کے کسی شاگرد نے آپ سے سن کر لکھا ہے۔

توضیحی و تشریحی انداز بیان

اس کتاب کا انداز بیان توضیحی و تشریحی ہے جس سے مسائل و احکام خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ مؤلف نے الحجہ علی اھل المدینہ سلیس اور رواں عبارت میں تصنیف فرمایا ہے جس کا بنیادی مقصد اپنے مافی الضمیر کو واضح اور بیان کرنا ہے۔ قاری کو اس کتاب کو سمجھنے اور اس کا مطالعہ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ انہوں نے عبارت میں نہ تو کہیں ابہام پیدا کیا ہے اور نہ ہی اغلاق و اشکال۔ قابل تحسین امر یہ ہے کہ بحث جتنی مشکل ہو، امام محمد کا بیان اتنا ہی عام فہم اور سہل ہوتا ہے۔ وہ الفاظ و کنایات کے ذریعے قاری کے ذہن کے بند دریچے کھولتے چلتے جاتے ہیں جس سے استفادے میں آسانی اور سہولت پیدا ہوتی ہے۔

امام محمد فروع میں کسی کے مقلد نہ تھے۔ اسی بنا پر انہیں فقہ حنفی میں مجتہد منتسب کا مقام دیا جاتا ہے۔ وہ ہر مسئلے کو پہلے قرآن و سنت پر پیش کرتے اور اگر ان میں کچھ نہ ملتا تو تب دیگر سے استفادہ کرتے۔ اس حوالے سے انہوں نے فقہ حنفی میں رہتے ہوئے اپنا الگ دبستان قائم کیا۔ ان کے فقہی منہج و اسلوب کے اثرات نہ صرف فقہ حنفی بلکہ دیگر مسالک پر بھی بڑے واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ امام محمد نے فقہی ماخذ سے استفادے کے حوالے سے جو منہج و اسلوب اپنایا، ذیل میں ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن مجید سے استدلال

قرآن مجید اصل الاصول ہے اور فقہ کا پہلا ماخذ ہے جو بنیادی قواعد کلیہ فراہم کرتا ہے۔ امام محمد نے اسے ہر جگہ سرفہرست ہی رکھا ہے اور اس کے استدلال کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اسی لیے سب سے پہلے مؤلف قرآن مجید کی آیات سے مسالک فقہ کا استدلال بیان فرماتے ہیں جس سے اس بیان کو بھی تقویت ملتی ہے کہ قرآن مجید کے باقاعدہ حافظ تھے۔ ربا کے ایک مسئلے میں اصول فقہ کے اس اہم ترین قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

{إِن الظَّنَّ لَا يُغني من الْحق شَيْئًا} - [24]

”کہ شک حق (یقین) کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔“

فقہ کے اصول و مآخذ پر بحث کے دوران قرآن کریم کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے اور اس حوالے سے امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اعجاز قرآن در اصل قرآن کے الفاظ و معانی دونوں سے عبارت ہے۔ یہی رائے بالعموم جمہور فقہاء کی بھی ہے امام سرخسی فرماتے ہیں کہ:

> ہمارے مشائخ خصوصاً امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے کہ اعجاز قرآن بیک وقت نظم اور معنی دونوں کے لحاظ سے ہے یہی وجہ ہے کہ امام محمد کے یہاں نماز میں فارسی میں قرآت کرنے سے فرض قرآت ادا نہ

> ہو گی خواہ وہ قطعی اور یقینی طور پر اسی آیات کے مفاہیم پر مشتمل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد کلام قرآن کی قرآت ہے اور اس مقصد کی تکمیل ان دونوں کے مجموعے کی صورت میں ہی ہوتی ہے۔[25]

امام سرخسی کی اس وضاحت کے مطابق یہ بالکل واضح ہے کہ الفاظ قرآنی کے علاوہ دوسری زبان میں نماز کے اندر تلاوت کرنا امام کے نزدیک صرف اس صورت میں جائز ہے جب آدمی اس سے عاجز ہو، یہی رائے ان کے شیخ امام ابویوسف کی بھی ہے۔ البتہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ مطلقاً کسی بھی زبان میں تلاوت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام محمد کے یہ کہنے کے باوجود کہ اعجاز قرآن لفظ و معنی دونوں کا مرکب ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک آیت سے کم قرآن غیر معجز ہے۔ لہذا تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت سے کم قرآت سے نماز نہیں ہوتی ہے، امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے ہے، لیکن امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ:

> اتنی قرآت لازم ہے جتنی آسانی سے ممکن ہو اور اس سے فرض قرآت ادا ہو جاتی ہے۔ البتہ وہ اتنی قرآت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔[26]

حدود کے بارے میں امام محمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پہلی مرتبہ چوری کرنے پر چور کا داہنا ہاتھ قطع کیا جائے گا اور دوسری بار چوری کے ارتکاب پر بایاں کاٹا جائے گا اور اگر پھر بھی چوری سے باز نہ آیا تو استحساناً اس کا کوئی عضو نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس پر تعزیر جاری ہو گی اور اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ چوری سے توبہ نہ کرلے۔[27]

اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ دلائل میں اختلاف اور نصوص کے متعدد ہونے کی بناء پر اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف پیدا ہوا۔ اس ضمن میں ان کی دلیل حضرت علی سے مروی روایت اور عبد اللہ بن مسعود کی قرآت ہے۔ امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے، انہوں نے عمرہ بن مرہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن سلمہ سے، انہوں نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> چور جب پہلی مرتبہ چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے، دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اگر اس کے بعد پھر چوری کرے تو اسے قید کر دیا جائے تا آنکہ اس سے بھلائی کا ظہور ہو یعنی توبہ کرے کیونکہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اسے اس حال میں چھوڑوں کہ نہ اس کا ہاتھ ہو جس سے وہ کھاپی سکے اور نہ پاؤں ہو جس پر وہ چل سکے۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام محمد نے فرمایا "ہم اس کو اختیار کرتے ہیں" امام ابو حنیفہ بھی اس کے قائل ہیں۔[28]

احادیث سے استدلال

حدیث، قرآن کی شرح اور فقہ کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ الکاسانی قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی سے استدلال کو اہمیت دیتے ہیں۔ احادیث، اقوال صحابہ اور اقوال تابعین کا ذخیرہ الحجہ علی اھل المدینہ میں فراہم کر دیا گیا ہے۔ مثلاً امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو تو اس کی اقتداء حنفیہ کے نزدیک درست ہے کے ضمن میں حدیث بیان کرتے ہیں:

لَا يُؤمن النَّاس أُحْدُ بعدى جَالِسا ۔[29]

> ''کہ کوئی آدمی میرے بعد بیٹھ کر نماز کی امامت نہ کروائے۔''

سنت متواترہ کے بارے میں امام محمد کا وہی موقف ہے جو جمہور فقہاء کا ہے، یعنی اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ:

> ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ خبر متواتر سے ثابت حکم پر عمل اسی طرح ضروری اور لازم ہے جس طرح احکام قرآنی پر ہے۔[30]

اس لئے ان علماء کی رائے میں احادیث متواتر کے ذریعہ کتاب اللہ پر اضافہ وزیادتی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ احادیث حجیت میں نص قرآنی کے مماثل ہیں۔

حدیث مشہور کی دلالت اور اس کے حکم کے بارے میں تضاد آراء کے باوجود امام محمد کی ترجیحی رائے یہی رہی ہے کہ یہ بھی حدیث متواتر کی طرح حجت ہے، اگرچہ وہ علم یقینی کا فائدہ دینے میں حدیث متواتر کے ہم پلہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ پر حدیث مشہور سے ثابت احکام کی زیادتی، ان کے مسالک میں غیر معتبر نہیں اور یہی شیخین کا مسلک بھی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ:

> آپ نے بیک وقت سالی اور بھانجی یا پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔[31]

تو یہ ممانعت اللہ کے اس قول ”و احل لکم “ اور ”ذالکم“ کے عموم کی تخصیص کرتی ہے۔

خبر واحد کے حوالے سے امام محمد کی رائے یہ ہے کہ وہ اس وقت خبر واحد کو حجت قرار دیتے تھے، جبکہ اس کا راوی ثقہ ہو۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ:

> ایک دادی حضرت ابو بکر صدیق کے پاس پوتے کی میراث میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہوئے حاضر ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اسے جواب دیا کہ کتاب اللہ میں تیرے لیے کوئی حصہ نہیں اور نہ سنت رسول میں ہی تیرا حصہ مقرر ہونے کی ہمیں خبر ہے۔ اب تو لوٹ جا تا وقتیکہ میں لوگوں سے اس بارے میں دریافت کر لوں۔ اس پر مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے دادی کو سدس دیا تھا۔ حضرت ابو بکر نے ان سے فرمایا کہ کیا یہ بات تمہارے سوا کسی اور نے بھی سنی ہے ؟ تو حضرت محمد بن سلمہ نے آکر وہی گواہی دی جو حضرت مغیرہ نے دی تھی۔ تب حضرت ابو بکر صدیق نے چھٹا حصہ جاری کر دیا۔[32]

اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابو موسی اشعری نے حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی کہ جب تم میں سے کوئی گھر والوں سے تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ لوٹ جائے۔ حضرت عمر نے اس پر ان سے گواہ طلب کیا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری نے آکر گواہی دی کہ میں نے یہ حدیث سنی ہے۔[33]

مذکورہ دونوں حدیثوں میں حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمرؓ کے گواہ طلب کرنے کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے امام محمد فرماتے ہیں کہ:

> دونوں حضرات نے جو گواہ طلب کیے تھے وہ دراصل احتیاط پر مبنی عمل تھا ور نہ ایک ہی راوی کا بیان کافی تھا۔[34]

امام محمد کے اس قول سے ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام محمد "خبر واحد کو اعتقاد کے علاوہ عمل میں بھی دلیل مانتے ہیں یعنی خبر واحد ان کے نزدیک علم ظنی رائج کا فائدہ دیتی ہے اور علم یقینی کے لئے مفید نہیں ہے۔ گویا ان کی یہ رائے جمہور وفقہاء کے اس اصول سے ہم آہنگ نہیں ہے کہ خبر واحد علم یقینی کا ذریعہ ہے۔[35]

اس تناظر میں جب امام محمد کے مستدلات اور مسائل کی طرف مراجعت کی گئی تو یہ چیز صراحتا کہیں نہیں ملی کہ ان کے نزدیک خبر واحد علم یقینی کا موجب ہے بلکہ اس کے بر عکس اصولی کتابوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ خبر واحد کے ذریعہ علم یقینی کا فائدہ حاصل کرنے کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ جب یقینی علم کا ثبوت حدیث مشہور سے حاصل نہیں ہوتا تو خبر واحد سے تو بدرجہ اولی حاصل نہیں ہو گا۔(36) لہذا خبر واحد کے حوالے سے امام محمد کی وہی رائے مبنی بر انصاف ہے جو جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اس پر عمل واجب ہے اور یہ یقین سے کم ظن غالب کا فائدہ دیتی ہے۔

امام محمد خبر واحد کی قبولیت کے سلسلہ میں کچھ شرائط رکھتے ہیں اور اگر وہ شرائط موجود ہوں تبھی اس پر عمل واجب ہو گا۔ ان کے مطابق راوی میں اسلام عقل، ضبط اور عدالت کا پایا جانا ضروری ہے۔(37) ان شرائط میں ایک جز خبر کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ راوی مستور الحال نہ ہو یعنی وہ شخص جس کی نہ عدالت ثابت ہو اور نہ اس کی عدالت پر کوئی الزام ہو۔ چنانچہ امام محمد مستور الحال شخص کی روایت کو رد کرتے ہیں تا آنکہ اس کی عدالت نہ ثابت ہو جائے۔ اس کے بر عکس امام ابو حنیفہ مستور الحال کو صاحب عدالت کے درجہ میں مانتے ہیں اور ان کی دلیل "المسلمون عدول لبعضهم على بعض" ہے۔ اس لئے امام اعظم نے اس معاملے میں مستور الحال کی گواہی پر فیصلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن امام محمد اسے جائز قرار نہیں دیتے اور یہی موقف امام ابو یوسف کا بھی ہے۔[38]

مستور الحال شخص کی عدالت ماننے نہ ماننے کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم کے زمانے میں لوگوں میں عدالت عمومی طور پر پائی جاتی تھی لہذا اس بنا پر مستور الحال بھی عادل ہی ہوتا تھا تا آنکہ اس پر کسی کی جرح ظاہر ہو جائے۔ لیکن صاحبین کے زمانے میں جھوٹ کا چلن عام ہو گیا تھا اور عام طور پر لوگوں میں عدالت نہیں پائی جاتی تھی لہذا صاحبین نے احتیاط کو مد نظر رکھا اور دفع فساد کے لئے اس مسلک کو اختیار کیا اور یہ مسلک بھی اصولوں سے ہی ثابت ہے بلکہ اصولیوں کی رائے بھی یہی ہے۔ اس لئے آمدی نے لکھا ہے:

> کہ یہ بات کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین روایت میں محض مسلمان ہونے اور بظاہر فسق سے سلامتی پر اکتفاء کرتے تھے، مطلقاً غلط ہے۔[39]

علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر خبر واحد ان معاملات کے بارے میں ہو جو عام طور پر لوگوں میں جاری رہتے ہیں مثلاً وکالت، مضاربت، عزل وکیل، سکوت باکرہ، شفع وغیرہ تو امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں خبر واحد حجت ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے بشرطیکہ راوی عاقل ہو عادل ہو یا نہ ہو۔ یہی رائے امام ابو یوسف کی بھی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اس حوالے سے صاحبین کی رائے سے متفق نہیں ہیں اور اس طرح کے خبر واحد میں راوی کی عدالت یا راویوں کی تعداد کو مشروط قرار دیتے ہیں۔[40]

خبر واحد کی قبولیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس خبر واحد کا کسی آیت، حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے تعارض نہ ہو۔ اگر وہ متعارض ہوتی ہے تو خبر واحد کو کالعدم سمجھا جائے گا۔ البتہ اس خبر واحد کو قبولیت حاصل ہو گی جس کے متابعات اور شواہد پائے جاتے ہوں۔ اس حوالے سے امام محمد حدیث فاطمہ بنت قیس سے استدلال کرتے ہیں جو فرماتی ہیں کہ:

> میرے شوہر نے مجھے تین بار طلاق دی تو نبی کریم ﷺ نے نہ مجھے نفقہ کا حق دار قرار دیا اور نہ رہائش کا۔[41]

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس عورت کو تین طلاق یعنی طلاق مغلظہ یا طلاق بتہ دے دی جائے تو اس عورت کو نہ تو نفقہ کا حق ہو گا اور نہ ہی رہائش مہیا کی جائے گی۔ اب غور کریں تو یہ معلوم ہو گا کہ یہ حدیث دراصل قرآنی آیت:

اسکنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِ كُمْ» ۔[42]

(ان کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق)

کے معارض ہے۔ لہذا اس حدیث کے حکم کو اس کے عمومی مفہوم میں نہیں لیا جا سکتا۔

اسی طرح ایک گواہ اور قسم کی صورت میں فیصلہ کرنے والی روایت بھی خبر واحد ہے جو ارشاد الہی:

"وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَ امر اتن"۔[43]

(گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتوں کو)

کے معارض ہے۔ اس آیت سے یہ لازم کر دیا گیا ہے کہ گواہ اس طرز پر ہوں کہ وہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اسی بناء پر امام محمد نے ابن عباس سے مروی یہ حدیث رد کر دی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کیا۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور اسے قبول کر لینے سے کتاب اللہ میں زیادتی ہو جائے گی جو امام محمد کے نزدیک نسخ کے برابر ہے۔[44]

امام محمد نے ایک گواہ اور قسم کے ذریعہ قضاء کے بارے میں امام مالک سے مروی حدیث پر یوں تبصرہ کیا ہے کہ:

> یہ حدیث اس حدیث کے بر عکس ہے جو ابن ذئب نے ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے کہ میں نے امام زہری سے ایک گواہ کے ساتھ قسم کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے اور اس طرح کا فیصلہ کرنے والے پہلے شخص حضرت امیر معاویہؓ ہیں۔[45]

یاد رہے کہ اہل مدینہ کے نزدیک ابن شہاب حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس طرح ابن جریج نے عطا بن رباح کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

> پہلے قضاء کے لئے صرف دو گواہ قبول کیے جاتے تھے۔ پہلا شخص جس نے قسم اور ایک گواہ دونوں کے ساتھ فیصلہ کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے۔[46]

خبر واحد کی قبولیت کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نصوص شرعیہ سے مستنبط اور متفق علیہ ہو اور کسی عام تشریعی اصول کے مخالف نہ ہو۔ مثلاً حدیث "مصراۃ“ جسے امام محمد نے رد کر دیا ہے اور "تصریہ “ کو عیب میں شمار نہیں کیا ہے کہ جس کی بنا پر مشتری کو جانور واپس کرنے کا اختیار حاصل ہو بلکہ مشتری بائع سے نقصان کی قیمت مانگ سکتا ہے کیونکہ رجوع اصل کی ممانعت موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ مرحوم کوثری نے وضاحت فرمائی ہے۔ لیکن یہ اصول عامہ کے خلاف ہے مزید بر آں یہ زیادتی کی صورت میں تاوان بالمثل کے بارے میں کتاب اللہ کے عموم کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام محمد کی طرف اس شرط یا معیار کی نسبت بالکل غلط ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے بر عکس خبر واحد کو مطلقا قبول کرتے تھے۔ مثلاً شیخین نے سیدہ عائشہ سے مروی یہ حدیث "لا نکاح الا بولی" (47) رد کر دی ہے کیونکہ سیدہ عائشہ نے یہ حدیث روایت کرنے کے باوجود عمل اس کے بر عکس کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبد الرحمن کا نکاح منذر بن زبیر کے ساتھ کر دیا تھا، حالانکہ لڑکی کے باپ عبد الرحمن شام میں موجود تھے۔ جب وہ واپس آئے تو انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا:

> کہ کیا میرے جیسے آدمی کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا جائے گا اور میری بیٹیوں کے بارے میں میری مرضی کے بغیر فیصلہ کیا جائے گا۔ سیدہ عائشہ نے پوچھا کہ کیا ابن منذر تمہیں ناپسند ہے تو عبد الرحمن راضی ہو گئے اور فرمایا ”جو نکاح تم طے کر چکی ہو میں اسے مسترد نہیں کرتا“۔[48]

اس حدیث کو رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شیخین بغیر ولی کے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں اور امام محمد نے موطا میں جو رائے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (49) یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ امام محمد نے ولی کے بغیر نکاح کے جواز میں امام ابو حنیفہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ (50) تاہم یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اکثر کتب اصول میں مذکور ہے کہ امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ اس حدیث پر بھی عمل کیا جائے گا جس کا راوی اپنی روایت کردہ حدیث سے مختلف طرز عمل رکھتا ہو کیونکہ حدیث کا راوی اپنی روایت کردہ حدیث کو بھول بھی جاتا ہے لیکن اس سے روایت کرنے والے اسے آگے روایت کر دیتے ہیں۔ دیگر ائمہ میں امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ (51) جبکہ شیخین اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس کا راوی خود اس کا منکر ہو۔ مثلاً وہ حدیث جسے محمد بن شہاب زہری نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ:

"ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل" ۔[52]

یعنی جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔

پھر یہ بھی روایت ہے کہ ابن جریج نے ابن شہاب سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا” میں اسے نہیں جانتا۔ اسی بناء پر شیخین کے نزدیک یہ حدیث حجت نہیں ہے۔ (53) ان تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد کے نزدیک صحابی کا اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہ کرنا غیر ضروری شرط ہے۔

خبر واحد کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس خبر واحد کا تعلق عام پیش آنے والے مسئلہ سے نہ ہو، یہ شرط احناف کے نزدیک مقبول نہیں ہے البتہ امام محمد خبر واحد کی قبولیت کے لئے اس شرط کے قائل تھے۔ اس کی مثال وہ خبر واحد ہے جس میں شرمگاہ چھونے سے وضو لازم ہونے کا ذکر ہے۔ یہ

حدیث صرف بسرہ بنت صفوان نامی صحابیہ نے روایت کی ہے حالانکہ عامۃ الناس کے درمیان معروف ہونے کا مسئلہ ہے۔ چونکہ اس حدیث کا تعلق ایسے مسئلہ سے ہے جو عامۃ الناس کا مسئلہ ہے یہی وجہ ہے کہ امام محمد نے اس حدیث کو نہیں لیا ہے اور اس حدیث کے نہ لینے کے بدلے انہوں نے موطا میں تقریبا دس مخالف آثار بیان کئے ہیں۔[54]

یہ وہ اہم شرائط ہیں جنہیں اصولین نے موضوع اور مضمون کے لحاظ سے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام محمد "خبر واحد کی قبولیت کے لئے راوی کا فقیہ ہونا ضروری نہیں سمجھتے لیکن خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں اور قیاس کے معاملہ میں خبر واحد کو رد نہیں کرتے۔

خبر واحد اور قیاس کے سلسلہ میں بحث کرتے ہو اصولین نے کافی بحثیں کی ہیں۔ کسی نے قیاس کو مقدم سمجھا کسی نے خبر واحد کو لیکن ان سب میں ایک رائے جو عام فقہاء سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ عام فقہاء نہ خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں اور نہ خبر واحد پر قیاس کو لیکن جہاں تک امام محمد کا تعلق ہے تو ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ:

> اگر ایک آدمی نے وضو کیا تو کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا یا جنبی آدمی غسل کے وقت کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا اور اسی حالت میں نماز ادا کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر یہ بھول صرف وضو کی شرط میں ہوئی ہے تو اس کی نماز مکمل ہے لیکن اگر غسل جنابت یا حیض میں بھول ہوئی ہے تو پھر کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور نماز کا اعادہ کرے۔ سوال پوچھنے والے نے کہا دونوں میں یہ اختلاف کیوں ؟ آپ نے فرمایا یہ دونوں صورتیں قیاس کے اعتبار سے تو برابر ہیں مگر ہم قیاس کو اس اثر کی وجہ سے چھوڑ دیں گے جو حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے۔ اہل مدینہ کی اس رائے کا رد کرتے ہوئے کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے مگر وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس سلسلے میں اگر احادیث نہ ہوتیں تب بھی تو قیاس اہل مدینہ کے قول کے مطابق ہوتا۔ لیکن حدیث کی موجودگی میں قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور نہ قیاس کرنا مناسب ہے۔ الا یہ کہ وہ احادیث کے تابع ہو۔[55]

غیر منصوص مسائل کے بارے میں ضابطہ

امام محمد نے کئی مقامات پر اس بنیادی اصول کی تصریح کی ہے کہ غیر منصوص مسائل کا حل منصوص مسائل پر قیاس ہے، چنانچہ بیع قبل القبض کے بارے میں فرماتے ہیں:

على الناس ان يقيسوا ما لم يات فيه اثر بما جاء من الاثار۔[56]

> ’’لوگوں کے ذمے ہے کہ غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کریں۔‘‘

ایک دوسری جگہ سے اس ضابطے کی مزید وضاحت معلوم ہوتی ہے کہ قیاس صرف ان منصوص مسائل پر کیا جائے گا جن کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہو، یعنی علت مشترکہ کی بنیاد پر قیاس ہوگا۔ چنانچہ مسح الراس والے مسئلے میں لکھتے ہیں:

انما ينبغى ان يقاس ما لم يات فيه اثر بما يشبهه مما جاء فيه الاثر۔[57]

”مناسب یہ ہے کہ جن مسائل میں روایات نہیں ہیں، انہیں ان ان کے مشابہ منصوص مسائل پر قیاس کیا جائے۔“

نصوص کی موجودگی میں قیاس مردود ہے

امام محمد نے اس کی بھی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس مردود اور ناقابل قبول ہے۔

قعدہ استراحت کے مسئلے میں فرماتے ہیں:

السّنة والأثار فِي هَذَا مَعْرُوفَة مَشْهُورَة لَا يحْتَاج مَعهَا إِلَى نظر وَقِيَاس۔[58]

’ ’روایات اس مسئلے میں مشہور و معروف ہیں ،ان کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس کے علاوہ درجہ ذیل مقامات پر بھی اسی ضابطے کو بیان کیا ہے۔

نصوص قیاس پر مقدم ہیں

امام محمد نے قیاس کے حوالے سے ایک اہم ترین اصول یہ بیان کیا ہے کہ نصوص قیاس پر مقدم ہیں، لہٰذا اگر کسی مسئلے میں حدیث اور روایت کا تعارض ہو تو روایت کو ترجیح ہوگی۔

قہقہہ سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْلَا مَا جَاءَ من الْآثَار كَانَ الْقيَاس على مَا قَالَ اهل الْمَدِينَة وَلَكِن لَا قِيَاس مَعَ اثر وَلَيْسَ يَنْبَغِي الا ان ينقاد للآثار۔[59]

”اگر قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے حوالے سے مذکورہ روایات نہ ہوتیں ،تو قیاس کا تقاضا یہی تھا جو اہل مدینہ کا مسلک ہے، لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس نہیں ہوتا اور نصوص کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی مناسب ہے۔“

قیاس کے بارے میں ان تین ضابطوں کو اگر باب القیاس کا خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ نیز ان سے یہ بات بھی ثابت ہورہی ہے کہ ائمہ حنفیہ کی نظر میں نصوص و روایات کا کیا مقام تھا۔ امام محمد کی ان تصریحات کے بعد بھی کوئی حنفیہ پر قیاس کو ترجیح دینے کا الزام لگائے گا تو علمی دنیا میں اس سے بڑی غلط فہمی نہیں ہوگی۔

یہ اس بات کی بین دلیل بھی ہے کہ امام محمد کے نزدیک جب حدیث صحیح موجود ہو تو وہ قیاس کی طرف نظر بھی نہ کرتے تھے۔

احادیث کی ایک قسم حدیث مرسل بھی ہے۔ حدیث مرسل کی مخالفت امام شافعی کیا کرتے تھے۔ امام شافعی نے اہل ذمہ کی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے لکھاہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے سال خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"لا يقتل مسلم بكافر“
(کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا)۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ:

> یہ مرسل ہے۔ جب میں نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ امام زہری کی اس حدیث کو قبول کریں گے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ یا ابو بکر یا عمر یا عثمان کے حوالے سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کسی کی بیان کردہ مرسل حدیث قبول نہ کی جائے گی زہری تو ناپسندیدہ مرسل ہیں۔[60]

تاہم اس بحث کی صداقت پر فقہاء کو یقین و اعتماد نہیں ہے۔ بلکہ کتاب الام کی نسبت امام شافعی کی طرف خود مشکوک ہے اور امام محمد کا یہ قول کہ زہری قبیح الاسلام ہیں محل نظر ہے۔ مزید برآں حدیث مرسل کو قبول کرنے اور امام زہری کے بارے میں امام محمد کی رائے کا ثبوت اس شک کو درجہ یقین تک پہنچاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل امام محمد کے نزدیک قبولیت کا درجہ رکھتی ہے بشرطیکہ اس کا راوی ثقہ ہو اور وہ حدیث کتاب اللہ، حدیث متواتر و مشہور اور عام تشریعی قاعدہ کے خلاف نہ ہو۔

جس طرح معتبر فقہاء کا وطیرہ ہے من و عن یہی انداز امام محمد کا بھی ہے۔ وہ باہم متعارض احادیث کے مابین احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے درمیان ترجیح کا پہلو اختیار کرتے ہیں، جو یا تو متابعات اور شواہد کی بنا پر ہوتا ہے یا حدیث کی صحت اور شہرت کی صورت میں ہوتا ہے۔ امام سرخسی کا بیان ہے کہ:

> امام محمد ایک ہی مسئلہ میں متعارض اور حریت یا رقیت کے لحاظ سے درجہ بندی کرتے ہیں اور اس صورت میں دو راویوں کے قول کو ایک قول پر ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً ایک راوی نے پانی کی طہارت یا کھانے پینے کے حلال ہونے کی حدیث بیان کی مگر دوسرے دو راویوں نے ان کے ناپاک اور حرام ہونے کی حدیث بیان کی۔[61]

ترجیح کی اس نوع کا ذکر امام موصوف نے السیر الکبیر میں کیا ہے فرماتے ہیں:

> علماء سیر کے تین گروہ ہیں اہل شام، اہل حجاز اور اہل عراق، لہذا جس قول پر ان میں سے دو فریق متفق ہوں گے وہی قول قابل ترجیح ہو گا۔[62]

الغرض امام محمد کے مطابق جب دو باہم متعارض حدیثیں سامنے آئیں تو ان دونوں میں سے صرف اسے لینا چاہیے جو بلحاظ شہرت بڑھی ہوئی ہو اور دوسری کو ترک کر دینا چاہیئے۔ کتاب الحجہ میں فرماتے ہیں کہ:

> وتر کے بارے میں مختلف و متعارض احادیث منقول ہیں ہم نے ان میں سے زیادہ ثقہ کو اختیار کیا ہے پھر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وتر کی نماز زمین پر ادا کی جائے نہ کہ سواری پر۔[63]

امام محمد احادیث کے تعارض یا ان میں اختلاف کی صورت میں احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور ترجیح کی صورت میں سابق الذکر وجوہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جہاں تک بات ہے ان دو حدیثوں کے مابین ترجیح دینے کی تو امام محمد کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اس وقت تک ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح نہیں دیتے جب تک ان دونوں میں تطبیق ممکن ہو یا دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہو۔ امام سرخسی فرماتے ہیں کہ:

> اگر دو حدیثوں میں سے ایک میں کسی ایسی بات کا اضافہ ہو جو دوسری میں بیان نہیں ہوئی تو اس صورت میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب دونوں کا راوی ایک ہی ہو تو وہ حدیث قبول کی جائے جو اضافہ کی حامل ہے راوی کی قلت ضبط اور سماع سے اس کی غفلت کو وجہ بتا کر اس اضافہ کو حذف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت عبد اللہ بن مسعود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" اذا اختلاف المبايعان والسلة قائم بعينها تحالفا وتر اضيا "۔

جبکہ دوسری حدیث میں یہ اضافہ مذکور نہیں ہے۔ لہذا ہم نے اس حدیث کو اختیار کیا جس میں اضافہ ثابت ہے۔ البتہ امام محمد کی رائے اس معاملہ میں یہ ہے کہ دونوں حدیثوں پر عمل کریں گے۔[64]

اقوال صحابہ سے استدلال

اقوال صحابہ کے حوالے سے امام محمد کے افکار کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ وہ صحابہ سے منقول فرامین سے آگے نہیں جاتے۔ فقہ صحابہ پر عمل امام محمد شدت سے کیا کرتے تھے چونکہ حضرات صحابہ دوسروں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ واقف تھے۔ لہذا ان کی باتیں اس لائق ہیں کہ انہیں حجت بنایا جائے۔ امام محمد غور و فکر اور تجزیہ و تحلیل کے بعد ہی کسی صحابی کا قول اختیار کیا کرتے تھے۔ جیسے وتر میں سلام کے بارے میں آپ نے ابن عمرؓ کے قول کو ترک کیا اور ابن مسعود اور ابن عباس کا قول اختیار کیا ہے۔[65]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے مالک عن نافع عن ابن عمر کی روایت بیان کی ہے کہ ابن عمر وتر میں ایک رکعت اور دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے۔ حتی کہ اس دوران اپنی کسی ضرورت کے لئے آواز بھی دیتے رہتے تھے۔ اس کے بعد تیسری رکعت مکمل فرماتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں:

> کہ ہم اس قول کو اختیار نہیں کرتے بلکہ ابن عباس اور ابن مسعود کا قول لیتے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ وتر کی ایک رکعت اور دو رکعتوں کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے۔[66]

جن مسائل میں امام محمد نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا متفق علیہ قول اختیار کیا ہے ان میں سے ایک مسئلہ زوجین میں فرقت کا ہے جب وہ دنوں بیک وقت مرتد ہو جائیں۔ امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ان کے درمیان فرقت نہیں ہو گی۔ اگرچہ قیاس ان دونوں کے درمیان فرقت کو لازم قرار دیتا ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں:

> کہ ہم نے قیاس کو ترک کر دیا کیونکہ صحابہ کا اسی رائے پر اتفاق ہے۔ اس کی نظیر اس واقعہ میں ملتی ہے کہ عامل زکوۃ کا حصہ آٹھواں ہے۔ نیز یہ روایت بھی ہے کہ حاکم وقت کے ہاتھ میں اجتہادی معاملہ ہے جتنا حصہ مناسب سمجھے عامل زکوۃ کو بطور اجرت دے دے۔ اس کے بعد امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں اقوال میں سے پہلا قول زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔ اس قول پر اہل کوفہ اور اہل مدینہ کا اجماع ہے۔[67]

مذکورہ اجماع جس کی طرف امام محمد نے اشارہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ اجماع صحابہ ہو یا اجتماع تابعین یا اجماع تبع تابعین۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اجماع امام محمد کے اصول میں سے ایک ہے۔

قیاس سے استدلال

امام محمد نے اپنی فقہی آراء میں قیاس سے بھی استفادہ کیا ہے۔ علماء اصول کی اصطلاح میں قیاس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک چیز کو جس کا حکم کتاب وسنت سے معلوم نہیں ہے کسی دوسری چیز کے ساتھ رکھ کر اس کا حکم معلوم کیا جائے۔ جب کہ آخر الذکر کے حکم کا کتاب یا سنت میں ذکر ہوا ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی مشترک علت بھی پائی جائے۔ امام محمد نے قیاس کے حوالے سے اپنی مختلف تصانیف میں بحث کی ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث تمام معاملات کے لئے کافی نہیں ہے۔ البتہ بعض معاملات کے لئے کافی ہیں اور جس مسئلہ کے بارے میں کوئی حدیث موجود نہیں ہے اس مسئلہ پر قیاس کیا جائے گا۔[68]

امام سرخسی نے قیاس کی شرائط پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

> کہ امام محمد کے مطابق صرف رائے کو منصوص پر قیاس کیا جائے گا منصوص کو منصوص پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔[69]

یہ بات اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ نص ہی حکم کو متعدی کرنے کا سبب ہے بشرطیکہ فرع میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ چنانچہ قبیلہ بنوحنفیہ زکوۃ کا انکار کرکے ارتداد میں داخل ہوگیا۔ تو حضرت ابو بکر نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سے توبہ کرلیں۔ لیکن توبہ کے بعد انہوں نے تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا اور تمام صحابہ نے اس نکاح پر جرح نہیں کی۔[70]

یہ واضح رہے کہ امام محمد کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ وہ صحابہ کے فقیہ ہونے کے اعتبار سے اختیار اقوال میں درجہ بندی کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ اس حوالے سے ان کا کوئی مسلک نہیں ہے۔ الغرض یہ حقیقت ہے کہ امام محمد قول صحابی کو قبول کرتے ہیں اور اسے واجب الاتباع حجت بھی مانتے ہیں۔

اجماع سے استدلال

امام محمد کے منہج میں اجماع کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے آپ سے جو کچھ مروی ہے اس کا مرکز و محور اجماع صحابہ اور اجماع تابعین ہے۔ امام محمد اجماع صحابہ کے قائل تھے۔ امام سرخسی نے لکھا ہے کہ:

> جس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ہو اس کے قطعی الدلالتہ ہونے کی حیثیت کتاب و سنت سے ثابت کسی حکم کے درجہ میں ہوتا ہے کیونکہ اجماع صحابہ کبھی تواتر سے منقول اقوال و افعال رسول پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی اجتہاد پر۔ پہلی قسم کا اجماع ان تمام صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو بعض فرائض کی عملی شکلوں مثلاً زکوۃ اور کفارہ وغیرہ کے حوالے سے ہے۔ دوسری قسم کا تعلق اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کا وقوع صحابہ کرائم کے مابین ایک رائے پر اجماع کے حوالے سے ہے۔ اس کی مثال عراق کی زمینوں کے متعلق فیصلہ ہے۔[71]

امام محمد جب کسی اجماع سے استفادہ کرتے ہیں تو اس جگہ پر اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ اجماع صحابہ ہے یا اجماع تابعین ہے۔ کبھی صرف اتنا ہی کہہ دیتے ہیں کہ لوگوں کا اجماع اس پر ہے۔ کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اجماع اس پر ہے یا یہ مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ ہے۔ کتاب الحجہ میں ہے کہ:

> امام ابو حنیفہ نے فرمایا عامل زکوۃ کا زکوۃ میں کوئی حصہ مقرر نہیں۔ یہی قول اہل مدینہ کا ہے۔ پھر کہتے ہیں بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عامل زکوۃ کا حصہ آٹھواں ہے نیز یہ روایت بھی ہے کہ حاکم وقت کے ہاتھ میں اجتہادی معاملہ ہے جتنا حصہ مناسب سمجھے عامل زکوۃ کو بطور اجرت دیدے۔ اس کے بعد امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں اقوال میں سے پہلا قول زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔ اس قول پر اہل کوفہ اور اہل مدینہ کا اجماع ہے، مذکورہ اجماع جس کی طرف امام محمد نے اشارہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ اجماع صحابہ ہو یا اجماع تابعین یا اجماع تبع تابعین۔[72]

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ امام محمد بن حسن شیبانی نے فقہ حنفی کی تاسیس میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے فقہی اصولوں کو منضبط کیا اور ان کے ذکر کردہ مسائل پر خود اپنی اور امام ابو یوسف کی اختلافی آراء کا ذکر بھی کیا ہے انہوں نے فقہ حنفی کو جس منہج واسلوب سے روشناس کروایا اس کے سبب فقہ حنفی نہ صرف محفوظ ہوئی بلکہ بعد کے زمانے میں تمام عالم اسلام کی سب سے بڑی فقہ بن کر ابھری دوسری بات یہ کہ امام محمد بن حسن شیبانی نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے متعدد مقامات پر اختلاف کیا ہے۔ تاہم ان اختلافات میں باہمی احترام میں کہیں آنچ نہیں آنے پائی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے استاد اور دیگر رفقاء کی فقہی آراء کی موجودگی میں اپنے فقہی رجحان اور منہج کو واضح کیا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ احناف کے فقہی منہج میں کس درجہ وسعت ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کے اختلافی مسائل فقہی کتب میں موجود ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم احناف کی وسعت ظرفی پر مبنی اس روایت کو فروغ دیں اور جدید مسائل کے حوالے سے حالات کے مطابق ان اختلافی آراء سے حسب موقع استفادے کی گنجائش پیدا کریں۔

حوالہ جات

---

[1] ابن خلكان، أحمد بن محمد، وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، دار صادر - بيروت الطبعة الأولى، 1900- ج2، ص244

[2] الکوثری، محمد زاہد، بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانی، مکتبہ الخانجی، مصر، 1992ء، ص3

[3] خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، دار الکتب العالیہ، تہران، 1967ء، ج3، ص377

[4] الکوثری، محمد زاہد، بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانی، ص4

[5] ایضاً

[6] الدمیری، حسین بن علی، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، دار الکتب المصریۃ، 1977، ص127

[7] الکوثری، محمد زاہد، بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانی، ص4

[8] الکوثری، محمد زاہد، بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانی، ص4

[9] ویسے تو امام محمد کی تصنیفات کی تعداد تقریباً نو سو ننانوے کے قریب بیان کی جاتی ہے مگر آپ کی جو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں وہ چند ہی ہیں۔ اتنی تعداد میں تصنیفات کا ہونا ناقابل یقین لگتا ہے مگر اس کی تاویل اس طرح ممکن ہے کہ تصنیفات کم ہوں اور معتقدین نے ان کتابوں کو بھی مستقل کتاب کی حیثیت دے دی ہو۔ امام محمد کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں۔ ☆المبسوط ☆الجامع الصغیر ☆الجامع الکبیر ☆موطا امام محمد ☆الزیادات ☆کتاب الحجہ ☆السیر الکبیر ☆السیر الصغیر ☆کتاب الآثار وغیرہ۔

[10] الکوثری، محمد زاہد، بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانی، ص61-67

[11] رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ، زمزم پبلشرز، کراچی 2007، ج1، ص378

[12] جہلمی، فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، نوال کشور پرنٹنگ ہاؤس، لکھنؤ، س۔ن، ص175

[13] الشیبانی، محمد بن حسن، کتاب الآثار، دار النوادر، بیروت، 2008، ص17

[14] فرنگی محلی، عبد الحئ، الفوائد البهية في تراجم الحنفية، مطبع فیض، لکھنو، 1304ھ- ، ص 212

[15] جعفري، رئیس أحمد، آثار الإمام محمد وابو یوسف، کتاب منزل، لاھور، 1994، ص.13

[16] ایضاً، ص.12

[17] ایضاً، ص.13

[18] الشیبانی، محمد بن حسن، کتاب الآثار، ص295

[19] الشیبانی، محمد بن حسن، کتاب الآثار، ص294

[20] الشيباني، أبو عبد الله محمد بن الحسن، الحجة على أهل المدينة، ج1، ص35

[21] ایضاً، ج1، ص128

[22] الشيباني، أبو عبد الله محمد بن الحسن، الحجة على أهل المدينة، ج1، ص59

[23] حاجي خليفة، مصطفى بن عبد الله، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، دار إحياء التراث العربي، 1941-، ج2، ص1411

[24] یونس: 36

[25] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، أصول السرخسي، دار الكتاب العربي، بيروت، 1982، ج.1، ص.281

[26] ایضاً

[27] المرغيناني، برهان الدين، الهداية، ادارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، س.ن، ج.4، ص.186

[28] الخوارزمي، محمد بن محمود، جامع مسانيد الإمام الأعظم، مكتبہ یوسف، حیدر آباد، س.ن، ج.1، ص.222

[29] الشيباني، أبو عبد الله محمد بن الحسن، الحجة على أهل المدينة، ج1، ص128

---

[30] السرخسی، محمد بن احمد بن سہل، اصول السرخسی، ج1، ص291

[31] الشیبانی، محمد بن حسن، المؤطاامام محمد، تحقیق: عبد الوہاب عبد اللطیف، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، 2000.، ص177

[32] مالک بن أنس، موطأالإمام مالک، تحقیق: فؤاد عبد الباقي، إحياء الحديث العربي، بيروت، 1991، ج2، ص. 503

[33] ایضاً ، ج2، ص. 964

[34] الشیبانی، محمد بن حسن، المؤطاامام محمد، ص253

[35] ابن حزم، علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الآفاق الجدیدہ، بیروت، 2002ء، ج1، ص119

[36] النسفي، عبد الله بن أحمد، شرح المنار، المطبعة الأميرية، القاهرة، 1316ه- ج2، ص 11.

[37] اسلام، عقل اور ضبط پر بہت تفصیلی بحث موجود ہے جو کتب اصل حدیث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ راوی دین وشریعت کا مکمل پابند ہو اور ہر قسم کے فسق سے بچاہوا ہو۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: صبحی صالح، علوم الحدیث، جامع دمشق، 1963ء، ص128)

[38] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، أصول السر السرخسي، ج1، ص344

[39] صبحي صالح، علوم الحديث، جامع دمشق، 1963، ص131

[40] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، أصول السرخسي، ج1، ص335

[41] أحمد بن حنبل، المسند الامام أحمد بن حنبل، حديث: 6965.

[42] سورة الطلاق: 6

[43] سورة البقرة: 282

[44] الكوثري، محمد زاهد، النكت الطريقة عن روايات ابن أبي شيبة علي أبي حنيفة، ص155

[45] الكوثري، محمد زاهد، النكت الطريقة عن روايات ابن أبي شيبة علي أبي حنيفة.، ص159

[46] ایضاً، ص160

[47] البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، كتاب النكاح، حديث: 5130.

[48] السرخسی، محمد بن احمد بن سہل، المبسوط، مطبع السعادۃ، قاہرہ، 1334ھ، ج5، ص12

[49] مالک بن أنس، موطأالإمام مالک، ج2، ص527

[50] السرخسی، محمد بن احمد بن سہل، المبسوط، ج5، ص14

[51] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، أصول السرخسي، ج2، ص3

[52] مالک بن أنس، موطأالإمام مالک، ج2، ص525

[53] الحنفي، عبد العزيز، كشف الأسرار، المطبعة الإسلامية، بيروت، 1973، ج3، ص62

[54] الشیبانی، محمد بن حسن، المؤطاامام محمد، ص35

[55] الشيباني، محمد بن حسن، كتاب الحجة علي أهل المدينة، ص204

[56] ایضاً ، ج2، ص665

[57] ایضاً ، ج1، ص19

[58] ایضاً ، ج1، ص316

[59] الشيباني، أبو عبد الله محمد بن الحسن، الحجة على أهل المدينة، ج1، ص204

[60] الشافعي، محمد بن إدريس، كتاب الام، دار الشعيب، القاهرة، 1990، ج7، ص204

[61] السرخسی، محمد بن احمد بن سہل، المبسوط، ج4 ، ص189

---

[62] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، شرح كتاب السير الكبير، مطبع شركة مساهمه مصرية، القاهرة، 1357ه۔ ج 2، ص189

[63] الشيباني، محمد بن حسن، كتاب الحجة علي أهل المدينة، ص 204

[64] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، أصول السرخسي، ج2، ص25

[65] الشيباني، محمد بن حسن، المؤطا امام محمد، ص167

[66] الشيباني، محمد بن حسن، كتاب الحجة علي أهل المدينة، ص207

[67] ايضاً ، ص120

[68] الشيباني، محمد بن حسن، كتاب الحجة علي أهل المدينة، ص45

[69] السرخسي، محمد بن أحمد بن سهل، أصول السرخسي، ج2، ص160

[70] السرخسی، محمد بن احمد بن سهل، المبسوط، ج5، ص49

[71] السرخسی، محمد بن احمد بن سهل، المبسوط، ج2، ص246

[72] الشيباني، محمد بن حسن، كتاب الحجة علي أهل المدينة، ص207